عورت اور اسلام

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرست مضامین

دیباچہ طبعِ اول ۷
طبعِ جدید ۹
ورت کی عظمت اور خاندان کی تعمیر میں اس کا کردار ۱۱
عورت کی محکومی کے خلاف اسلام کی صدائے احتجاج ۱۱
اسلام- مساوات مرد و زن کا پہلا علم بردار ۱۲
عورت اور مرد کی کام یابی ایمان و عمل سے وابستہ ہے ۱۳
عورت کا میدانِ کار اس کا گھر ہے ۱۴
دو اعتراضات اور ان کا جواب ۱۴
دائرۂ عمل کیوں الگ ہو؟ ۱۶
پہلی وجہ ـــــ عفت و عصمت کی حفاظت ۱۶
دوسری وجہ ـــــ صلاحیتوں کا فرق ۱۷
گھر چھوڑنے میں عورت کا نقصان ہے ۱۸
گھر کی بنیادی اہمیت ہے ۱۹
گھر میں عورت کی خدمات ۱۹

مسلمان عورت - گھر اور خاندان میں ۳

ماں کا احترام ۴

بیوی کے حقوق ۹

لڑکی سے محبت اور اس کے تقاضے ۵

بہن کی خدمت اور کفالت ۰

مسلمان عورت کی تاریخ ــــ ایمان اور عبادت کے نقوشِ تاباں ۵

قبولِ اسلام میں سبقت ۵

دین پر استقامت ۷

ذوقِ عبادت ۰

نماز کا اہتمام ۱

نماز باجماعت میں شرکت ۱

ذکر و تسبیح ۴

کثرتِ عبادت ۸

روزے کا شوق ۰

جذبۂ انفاق ۲

حج اور عمرہ ۲

مسلمان عورت - علم و فضل کے میدان میں ۷

حضرت عائشہؓ ۷

حضرت ام سلمہؓ ۹

حضرت حفصہؓ ۹

حضرت ام حبیبہؓ ۰

حضرت میمونہ بنت الحارثؓ ۰

حضرت لبابہ بنت الحارثؓ	۸۱
حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ	۸۱
حضرت اسماءؓ بنت ابو بکرؓ	۸۱
حضرت خولہ بنت حکیمؓ	۸۲
حضرت نُسیبہ بنت کعب (ام عطیہ)	۸۳
بعض دیگر صحابیات	۸۳
حضرت فریعہ بنت مالکؓ	۸۲
ام الدرداء الجہیمہؒ	۸۴
عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ	۸۶
حفصہ بنت سیرینؒ	۸۷
عائشہ بنت سعد بن وقاصؒ	۸۸
عائشہ بنت طلحہؒ	۸۸
حیرہ ام الحسنؒ	۸۹
سیدہ نفیسہؒ	۸۹
بنت سعید بن المسیبؒ	۸۹
المویدز زینب بنت ابو القاسمؒ	۹۲
شہدہ بنت ابی نصرؒ	۹۲
سلمان عورت۔ دینی، سماجی اور سیاسی خدمات	۹۵
دعوت وتبلیغ	۹۵
معاشرتی تعلقات	۱۰۱
سماجی خدمات	۱۰۵
سیاسی محاذ پر	۱۰۶

دورِ حاضر میں مسلم خواتین کی ملازمت کا مسئلہ ۱

خاندان میں مرد اور عورت کے فرائض ۱

تعلیم یافتہ خواتین میں ملازمت کا رجحان ۲

سوال:۱ شریعتِ اسلامی خواتین کے لیے کسبِ معاش کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟ ۲

سوال:۲ کیا شریعت نے خواتین پر نان ونفقہ کی ذمے داری رکھی ہے؟ ۴

سوال:۳ معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لیے معاشی جدوجہد کا کیا حکم ہے؟ ۷

سوال:۴ کیا اندرونِ خانہ معاشی سرگرمیوں کے لیے بھی ولی یا شوہر کی اجازت ضروری ہے؟ ۱۸

سوال:۵ گھر سے باہر معاشی جدوجہد سے متعلق احکام ۱۹

سوال:۶ خواتین کے لیے ملازمت کے شرعی حدود ۲۲

سوال:۷ ملازمت کرنے والی خواتین کے لیے پردے کے احکام ۲۲

(الف) چہرے اور ہاتھ کا پردہ ۲۳

(ب) نامحرم خاتون سے گفتگو کا مسئلہ ۲۶

(ج) جوان عورت اور سن رسیدہ عورت کے احکامِ حجاب میں فرق ۲۸

بعض غور طلب پہلو ۳۰

کتابیات ۳۲

مسلمان عورت

(دینی، سماجی اور سیاسی خدمات)

دورِ اول کی خواتین معاشرے سے منقطع یا بے تعلق نہیں تھیں۔ وہ اس کے
سائل سے دلچسپی لیتی رہی ہیں۔ انھوں نے دعوت وتبلیغ، معاشرتی خدمات اور سیاسی
املات میں اہم کردار ادا کیا ہے اور غلبۂ دین کی کوششوں میں بھی حصہ لیا ہے۔
ئندہ صفحات میں اس کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

وت وتبلیغ

اسلام کا ماننا یا نہ ماننا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، جس کا انسانی زندگی پر کوئی اثر
پڑتا ہو، بلکہ یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ اس سے دنیا و آخرت کی کامیابی وابستہ ہے۔ جو
ے اللہ کے اس دین کو قبول کریں ان کی ذمے داری ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچائیں
دنیا پر اس کی اہمیت واضح کریں۔ یہ ذمے داری مردوں کی بھی ہے اور عورتوں کی
ا۔ چناں چہ دنیا میں اسلام اسی طرح پھیلا کہ دونوں نے اس ذمے داری کو محسوس کیا
اس کو پورا کرنے میں لگ گئے۔ مسلمان خواتین نے مشکل ترین حالات میں بھی اس
ں کو جس طرح انجام دیا اس کا اندازہ ذیل کے دو چار واقعات سے ہوسکتا ہے:

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم بنت ملحانؓ اپنی سوجھ بوجھ اور دانائی میں مشہور
ہیں۔ علامہ ابن عبد البرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

كَانَتْ مِنْ عُقَلاَءِ النِّسَاءِ[1] عاقل اور دانا عورتوں میں سے ایک تھیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

كَانَتْ مِنْ فَاضِلاَتِ الصَّحَابِيَاتِ[2] علم و فضل والی صحابیات میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

نیکی اور تقویٰ میں بھی ان کا بڑا اونچا مقام تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے جنت کا مشاہدہ کیا۔ وہاں میں نے کسی کی چاپ سنی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کس کے چلنے کی آواز ہے؟ بتایا گیا: عمیصاء (ام انسؓ) کی آواز ہے۔[3]

مدینہ میں اسلام پہنچا تو انھوں نے سبقت کی اور اسلام لے آئیں۔ اس وقت ان کے شوہر مالک بن نضر مدینہ سے باہر تھے۔ واپس ہوئے تو انھیں اس کا علم ہوا کہ کیا بے دین ہوگئی ہو؟ جواب دیا: نہیں! محمد ﷺ پر ایمان لائی ہوں۔ حضرت انس مالکؓ گود میں تھے۔ انھیں لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بولنا سکھاتی تھیں۔ دیکھ کر شوہر نے کہا کہ میرے بچہ کا بھی دین نہ خراب کرو۔ کہا: اس کا دین خراب نہیں کر رہی ہوں (بلکہ صحیح دین کی تعلیم دے رہی ہوں)۔

شوہر کو اسلام کی دعوت دیتی رہیں، لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ خفا ہوکر شام چلے گئے۔ وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔[4]

شوہر کے انتقال کے بعد مشہور صحابی حضرت ابوطلحہؓ نے ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن اس وقت تک وہ اسلام نہیں لائے تھے۔ ام سلیمؓ نے ان سے کہا کہ آپ مشرک ہیں اور میں اسلام لاچکی ہوں۔ جب تک آپ بھی اسلام نہیں لے آتے ہم دونوں کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ ام سلیمؓ نے ان کے سامنے جس طرح شرک کی تردید کی اور توحید

---

[1] ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۹۴۔

[2] نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/ ۳۶۳۔

[3] بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب مناقب عمرؓ۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل ام سلیم

[4] ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۹۴۔

ابت کیا اس کا ذکر متعدد روایات میں آتا ہے۔ انھوں نے ان کو سمجھایا۔ سوچیے! یہ پتھر
ر لکڑی کے بت جن کی آپ پوجا کرتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ فلاں قبیلہ کے
نگ تراش نے زمین سے پتھر اٹھایا اور بت بنا کر کھڑا کر دیا۔ فلاں بڑھئی نے لکڑی
مین سے نکالی اور ایک مورت بنا دی۔ یہ آپ کو نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔
پ چاہیں تو لکڑی کے اس بت کو جلا کر راکھ کر سکتے ہیں۔ اسے سجدہ کرتے ہوئے
پ کو شرم آنی چاہیے۔ ظاہر ہے یہ گفتگو مختلف اوقات میں ہوئی ہوگی۔ آہستہ آہستہ ان
کے ذہن کی گرہیں کھل گئیں۔ ایک دن انھوں نے کہا: تمہاری بات میری سمجھ میں
گئی۔ اب میں اسلام لاتا ہوں۔ اس کے بعد امّ سلیمؓ نے ان سے کہا: اب جب کہ
پ اسلام قبول کر چکے ہیں تو ہم دونوں کا نکاح بھی ہوسکتا ہے۔ چناں چہ ان کا نکاح
وا اور حضرت امّ سلیمؓ نے (اس خوشی میں) ان سے مہر بھی نہیں لیا[1]

تبلیغ صرف زبان ہی سے نہیں ہوتی، بلکہ آدمی کا کردار اور اس کا مضبوط رویہ
ی تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ کسی مسلک پر انسان کی ثابت قدمی، اس کے لیے قربانی
ر اسے غالب و سربلند دیکھنے کی تڑپ بعض اوقات وعظ و تبلیغ سے زیادہ کارگر ہوتی ہے
ر بڑے بڑے لوگ اس سے متاثر ہوجاتے ہیں۔ مسلمان خواتین کی استقامت اور
ابت قدمی نے اسلام کے سخت ترین مخالفین کو اپنی جگہ سے ہلا دیا ہے اور وہ اسلام کے
رے میں سوچنے اور اسے قبول کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

حضرت عمرؓ شروع میں اسلام کے شدید مخالف رہے ہیں۔ روایات سے معلوم
وتا ہے کہ بعض واقعات نے ان کے دل و دماغ کو بے حد متاثر کیا اور وہ اسلام کے
لقہ بہ گوش ہوگئے۔ ان میں دو واقعات کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

۱- عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی خیثمہ (ام عبد اللہ) قدیم الاسلام
ں۔ مکہ میں حالات جب ناقابل برداشت ہوگئے تو مسلمان ہجرت کر کے حبشہ جانے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۴۲۶، ۴۲۷۔
ابن حجر، الاصابہ: ۸/۴۰۸-۴۱۰۔

لگے۔ ان ہی میں یہ دونوں بھی تھے۔ لیلیٰ بنت ابی خیثمہ کہتی ہیں کہ ہم لوگ سفر کے لیے پوری طرح تیار ہوچکے تھے۔ عامر کسی ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے کہ اسی اثنا میں عمر بن خطاب آئے۔ جب ہمیں پا بہ رکاب دیکھا تو کہنے لگے: ام عبد اللہ! کیا اب روانگی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! قسم خدا کی! ہم یہاں سے کہیں بھی چلے جائیں گے۔ دیکھیں اللہ تعالیٰ نجات کی کیا صورت پیدا کرتا ہے؟ آپ لوگوں نے تو ہمیں سخت پریشان کر رکھا ہے۔ اس پر انھوں نے خدا حافظ کہا اور چلے گئے۔ اس وقت میں نے ان کے اندر وہ رقت دیکھی، جو پہلے نہیں دیکھی تھی۔ میرے خیال میں ہمارے مکہ چھوڑنے پر انہیں افسوس تھا۔ جب عامر واپس گھر پہنچے تو میں نے کہا: اگر آپ عمر کی رقت اور غم و حزن دیکھتے تو تعجب کرتے۔ انھوں نے کہا: شاید تمہیں ان کے اسلام لانے کی توقع ہو چلی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! لیکن حضرت عمرؓ کی سختی کی وجہ سے وہ بالکل مایوس تھے، کہنے لگے کہ خطاب کا گدھا جب تک اسلام نہ لائے عمر بھی اسلام نہیں لاسکتا۔[1]

بظاہر اس وقت ان دونوں کی مظلومی اور بے بسی، سختی کے باوجود اپنے دین پر ثابت قدمی، اس کے لیے ہجرت، خویش و اقارب اور گھر بار کا چھوڑنا یہ ساری باتیں ایک ایک کرکے حضرت عمرؓ کی نگاہوں کے سامنے آ گئی ہوں گی اور وہ سوچنے لگے ہوں گے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ وہ کون سا جرم ہے جس کے لیے انھیں اس قدر تنگ کیا جا رہا ہے؟

۲- حضرت عمرؓ سے پہلے ان کی بہن فاطمہ بنت خطابؓ اور ان کے بہنوئی سعید بن زیدؓ اسلام لاچکے تھے۔ البتہ حضرت عمرؓ کے ڈر سے اسے مخفی رکھا تھا۔ ادھر حضرت عمرؓ اس بات پر سخت برہم تھے کہ رسول اللہ ﷺ باپ دادا کے دین پر تنقید کررہے ہیں، ان کو نادان اور غلط کار بتا رہے ہیں اور ان کی وجہ سے قریش میں افتراق و انتشار پیدا ہوگیا ہے۔ ایک دن وہ اس ارادے سے نکلے کہ (نعوذ باللہ) آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا کام تمام کردیں، تاکہ یہ سارا ہنگامہ ہی ختم ہوجائے۔ راستہ میں نعیم بن عبد اللہ

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۸۰۔ ابن اثیر الجزری، اسد الغابہ: ۷/۲۴۹، ابن حجر، الاصابہ: ۸/۳۰۳

سے ملاقات ہوگئی۔ ان کو حضرت عمرؓ کے ارادہ کا علم ہوا تو کہا: اپنا ارادہ بدل دو۔ محمد (ﷺ) پر ہاتھ اٹھاؤ گے تو بنو عبد مناف تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ ان کو قتل کر کے تم زندہ نہیں بچ سکتے۔ اگر محمدؐ اور ان کا دین غلط ہے تو جاؤ اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو۔ وہ دونوں بھی اسلام لا چکے ہیں اور محمدؐ کی پیروی کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی سارا غصہ بہن اور بہنوئی کی طرف مڑ گیا۔ سیدھے ان کے گھر پہنچے۔ حضرت خبابؓ حضرت فاطمہؓ کو قرآن مجید پڑھانے کے لیے ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ اس وقت وہ میاں بیوی کو سورۂ طٰہٰ پڑھا رہے تھے۔ چناں چہ حضرت عمرؓ نے باہر سے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ پوچھا: یہ کیسی بھنبھناہٹ تھی؟ جواب ملا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بپھر گئے اور کہا: مجھے خبر ہے، تم لوگ بھی محمد (ﷺ) کے ساتھ ہوگئے ہو۔ یہ کہہ کر سعید بن زید کو پیٹنے لگے۔ بہن بچانے کے لیے دوڑیں تو انہیں بھی زخمی کر دیا۔ زخموں نے ان دونوں کو ہراساں نہ کیا، بلکہ ان کی حرارتِ ایمانی جوش میں آ گئی۔ کہا: ہاں! ہم خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب تمہارا جو جی چاہے کر گزرو۔ اس استقامت نے حضرت عمرؓ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ بہن کو خون آلود دیکھ کر دل میں نادم ہوئے، کہا: جو کتاب تم پڑھ رہے تھے لاؤ۔ دیکھوں تو محمدؐ کیا کہتے ہیں؟ بہن نے کہا: آپ ناپاک ہیں، اس کتاب کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی۔ بات دل میں اترتی چلی گئی اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا[1]

ایسا بھی ہوا ہے کہ شوہر کو ایمان کی سعادت نصیب نہیں ہوئی یا دیر میں نصیب ہوئی اور بیوی ایمان لے آئیں۔ شوہر کی عدم رفاقت کے باوجود اس پر ثابت قدم رہیں۔

حضرت ابو العاصؓ حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے اولاد کی طرح ان کی پرورش کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی آپ کی بڑی صاحب زادی حضرت زینبؓ سے ان کا نکاح ہوگیا تھا۔ یہ دورِ جاہلیت میں بھی اپنی نیکی،

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۸۱-۳۸۴۔

شرافت اور دیانت میں مشہور تھے، لیکن اسلام کی دولت انہیں فتح مکہ سے کچھ پہلے حاصل ہوئی۔ حضرت زینبؓ جنگ بدر کے بعد مکہ سے مدینہ ہجرت کرکے آئیں۔ اس طرح بعثت کے بعد وہ پندرہ برس تک مکہ میں ان کے ساتھ رہیں[۱]

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت زینبؓ اور حضرت خدیجہؓ نے ان کو سمجھانے اور اسلام کی حقانیت واضح کرنے کی ضرور کوشش کی ہوگی۔ گو حضرت ابو العاصؓ بہت تاخیر سے اسلام لائے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں ان کوششوں کا دخل نہیں تھا؟

امّ حکیم بنت حارث جنگ اُحد میں مشرکین کی طرف سے شریک جنگ ہوئی تھیں۔ فتحِ مکہ کے بعد اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابو جہلؓ یمن فرار ہوگئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور شوہر کے لیے امان حاصل کی۔ پھر آپؐ کی اجازت سے یمن گئیں، شوہر کو تلاش کرکے اپنے ساتھ لائیں اور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد وہ بھی اسلام لے آئے[۲]

حضرت خالد بن ولیدؓ کی بہن فاختہ بنت ولیدؓ فتح مکہ کے بعد اسلام لائیں اور بیعت کی۔ لیکن ان کے شوہر صفوان بن امیہ خودکشی کے ارادے سے یمن کی طرف فرار ہوگئے۔ وہ سمندر میں خودکشی کرنا چاہ رہے تھے۔ عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے پناہ حاصل کی اور واپس ہوئے۔ اس میں ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ رسول اللہؐ نے فاختہ اور صفوان کا، اسی طرح امّ حکیم اور حضرت عکرمہ کا نکاح باقی رکھا[۳]

اُمّ ہانیؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی صاحب زادی اور حضرت علیؓ کی سگی بہن تھیں۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر ہبیرہ مکہ سے نجران فرار

---

۱ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۲۶۹، ۲۷۰

۲ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۴/۵۹، ۶۷، ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۴۸۶۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۷/۳۰۹

۳ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴/۶۶، ۶۷۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۴۴۷۔ ابن حجر، الاصابۃ: ۸/۲۵۷۔

ہوگئے اور وہیں وفات پائی۔ باپ دادا کے دین کو چھوڑنے کے لیے آخر وقت تک تیار نہیں ہوئے[۱]

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان خواتین نے اسلام قبول کرنے میں اپنے شوہروں کی بھی پروانہیں کی، پھر صبر وسکون اور حکمت کے ساتھ انھیں سمجھایا، دعوت دی، بڑے بڑے مخالفین کو قبولِ اسلام پر آمادہ کیا۔ ان کی معافی اور جان بخشی کے لیے تگ و دو کی اور اس سلسلہ میں زحمتیں برداشت کیں۔ اس طرح دعوتِ دین کا حق ادا کیا اور ان لوگوں کو دنیا اور آخرت کی کامیابی سے ہم کنار کیا، جو اس سے بہت دور ہو چکے تھے۔

معاشرتی تعلقات

دورِ اول کی خواتین معاشرے سے غیر متعلق اور کٹی ہوئی نہیں رہتی تھیں، بلکہ اس کے رنج و راحت اور خوشی اور غم میں شریک ہوتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو بڑی اہمیت دی کہ عورتوں کے تعلقات اپنے پڑوسیوں سے اچھے ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بکثرت نماز پڑھتی ہے، روزے رکھتی ہے اور صدقہ و خیرات بھی بہت کرتی ہے، لیکن اپنی بد زبانی کی وجہ سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گی۔ اس نے کہا: اس کے برخلاف فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نفل نمازوں اور روزوں کا کم ہی اہتمام کرتی ہے اور کچھ پنیر وغیرہ صدقہ کردیتی ہے، لیکن خوش اخلاق ہے، اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جنت میں جائے گی[۲]

---

۱ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴/ ۶۹۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۵۱۷، ۵۱۸۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/ ۴۸۵، ۴۸۶۔

۲ قال المنذری: رواہ احمد والبزار و ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح الاسناد، و رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ باسناد صحیح ایضاً۔ الترغیب والترہیب: ۳/ ۲۴۲۔

اس دور کی خواتین ایک دوسرے کی مدد کرتیں، ان کے دکھ درد میں کام آتیں محبت اور ہم دردی کا اظہار کرتیں اور ان کی، جو خدمت ممکن ہوتی انجام دیتیں۔

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ شادی کے بعد وہ حضرت زبیرؓ کے گھر آئیں تو سارا کام کاج ان کو کرنا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں فرماتی ہیں:

لَمْ اَكُنْ اُحْسِنُ اَخْبِزُ فَكَانَ يَخْبِزُلِيْ جَارَاتٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَ كُنَّ نِسْوَةَ صِدقٍ[1]

میں روٹی اچھی نہیں پکا پاتی تھی۔ میرے پڑوس کی عورتیں جن کا تعلق انصار سے تھا روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔ وہ بڑی مخلص اور سچی عورتیں تھیں۔

خود حضرت اسماءؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کے پاس کسی بخار والی عورت کو لایا جاتا تو وہ اس کے لیے دعا کرتیں اور گریبان کے اندر (تھوڑا سا ٹھنڈا) پانی ڈالتیں۔ فرماتیں: رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا تھا کہ ہم بخار (کی حدت) کو پانی سے ٹھنڈا کریں۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک میت کو دفن کر کے ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واپس ہو رہے تھے۔ جب آپؐ اپنے مکان کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک خاتون آ رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کے انداز سے آپؐ نے انہیں پہچان لیا تھا، اس لیے کہ وہ حضرت فاطمہؓ تھیں۔ جب وہ قریب آئیں تو آپؐ نے ان سے پوچھا: تم گھر سے کیوں گئی تھیں؟ انھوں نے عرض کیا: میت والوں میں گئی تھی، تاکہ تعزیت کروں اور میت کے لیے کلماتِ خیر کہوں۔ آپؐ نے فرمایا: شاید تم قبرستان بھی گئی تھیں؟ انھوں نے عرض کیا: خدا کی پناہ! وہاں کیسے جاتی؟ اس سے تو آپ نے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم وہاں جاتیں تو (بڑا گناہ ہوتا)۔[3]

---

[1] مسلم، کتاب السلام، باب جواز ارداف المرأۃ الاجنبیہ الخ۔

[2] بخاری، کتاب الطب، باب الحمّٰی من فیح جھنم۔ [3] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی التعزیۃ۔ غالباً یہ ابتدائی ہدایت تھی۔ بعض روایات سے خواتین کے لیے زیارتِ قبور کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

اس طرح کے تعلقات، اگر کسی اخلاقی خرابی کا اندیشہ نہ ہو تو عورتوں اور مردوں کے درمیان بھی ہوسکتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کی زندگی میں اس کی مثالیں موجود ہیں:

اسماء بنت یزیدؓ کہتی ہیں کہ ہم کچھ عورتیں مسجد میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور سلام کیا۔[1] ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے ان کو شوہروں کے احسانات کی ناشکری کرنے سے منع فرمایا۔[2]

اسی طرح حضرت جریر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ عورتوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کیا۔[3]

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ جمعہ آتا تو ہم لوگ خوش ہوتے۔ ایک بوڑھی خاتون تھیں، نماز جمعہ کے بعد ہم ان کے ہاں جاتے اور سلام کرتے۔ وہ چقندر اور آٹا ملا کر ایک رقیق سی چیز تیار کر کے ہمیں کھلاتی تھیں۔[4]

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو سلام کیا جاسکتا ہے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ عورتیں مردوں کی خاطر تواضع اور میزبانی بھی کرسکتی ہیں۔

امّ ورقہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو شہادت سے نوازے گا۔ (اس پیشین گوئی پر سب کو یقین تھا) حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے۔ چلو! شہیدہ سے ملاقات کر آئیں اور وہ ان کی ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔[5]

ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی السلام علی النساء۔ ترمذی، کتاب الاستیذان، باب ماجاء فی تسلیم علی النساء۔

[1] بخاری، الادب المفرد: ۲/۴۹۰۔ [3] مسند احمد: ۴/۳۶۳۔

[2] بخاری کتاب الاستیذان۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کی روایت حسب ذیل باب کے تحت کی ہے۔ تسلیم الرجال علی النساء والنساء علی الرجال (مردوں کا عورتوں کو اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا) مطلب یہ ہے کہ حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔

[4] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۴۵۷۔

بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی ایک اخلاقی ذمے داری ہے۔ اسلام نے اس کی بڑی تاکید کی ہے۔ اس سے معاشرتی تعلقات خوش گوار ہوتے ہیں اور دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں مردوں کی عیادت کی ہے خواتین کی بھی عیادت فرمائی ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک خاتون کے ہاں، جن کا نام امّ السائب یا ام المسائب تھا، تشریف لے گئے (وہ بیمار تھیں)۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: کیا بات ہے؟ کپکپی کیوں طاری ہے؟ انھوں نے کہا: حضور! بخار ہے، اللہ اس کا برا کرے۔ آپؐ نے فرمایا: بخار کو برا بھلا مت کہو، اس لیے کہ اس سے بنو آدم کے گناہ اسی طرح دور ہوتے ہیں، جس طرح بھٹی سے لوہے کا زنگ دور ہوتا ہے[1]

حکیم بن حزامؓ کی پھوپھی ام العلاءؓ کہتی ہیں کہ میں بیمار ہوئی تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ فرمایا: اے ام العلاء! بشارت ہو، اس لیے کہ بیماری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک مسلمان کے گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے، جس طرح آگ لوہے کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے[2]

فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری خاتون کی عیادت کی۔ آپؐ نے ان سے حال پوچھا۔ انھوں نے عرض کیا: خیریت ہے، ام یلدم (ایک بیماری) نے بہت تنگ کر رکھا ہے۔ آپؐ نے صبر کی تلقین کی اور فرمایا: بیماری سے آدمی گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے بھٹی میں ڈالنے سے لوہے کا زنگ ختم ہوکر صاف ہو جاتا ہے۔[3]

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ثواب المومن فی ما یصیبہ من مرض۔

[2] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب عیادۃ النساء۔

[3] قال المنذری: رواہ الطبرانی و رواتہ رواۃ الصحیح۔ الترغیب والترہیب: ۴/ ۱۵۲۔

كُنَّ النِّسَاءُ يُسَلِّمْنَ عَلَى الرِّجَالِ[1] عورتیں مردوں کو سلام کیا کرتی تھیں

حارث بن عبید اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام درداءؓ نے انصار میں سے ایک شخص کی، جو مسجد نبوی کے قریب رہتے تھے، عیادت فرمائی[2]

ابراہیم بن ابی عبلہ کہتے ہیں کہ میری بیوی بیمار تھی۔ میں ان دنوں حضرت مّ درداءؓ کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے بیوی کا حال پوچھتیں۔ میں اس کی بیماری کا ذکر کرتا۔ وہ میرے لیے کھانا منگواتیں اور میں کھایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے حال پوچھا، میں نے کہا: اب تقریباً ٹھیک ہے۔ انھوں نے کہا: تمہاری بیوی بیمار تھی، اس لیے ہم تمہیں کھانا کھلا دیا کرتے تھے۔ اب جب وہ ٹھیک ہوگئی ہے تو کھانا نہیں کھلائیں گے[3]

حضرت امّ درداءؓ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ خواتین مردوں کی عیادت بھی کرسکتی ہیں اور وہ کسی خانگی الجھن میں ہوں تو اپنے گھر ان کے کھانے کا انتظام بھی کرسکتی ہیں۔

سماجی خدمات

اسلام نے عورتوں کو سماج کی خدمت کرنے اور اس کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینے سے منع نہیں کیا ہے۔ وہ ان کاموں میں حصہ لے سکتی ہیں اور فی الواقع لیتی رہی ہیں۔ یہاں دو ایک مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

دورِ رسالت کا واقعہ ہے، مسجد نبوی میں منبر نہیں تھا۔ ایک خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرا ایک غلام ہے جو بڑھئی ہے۔ اگر اجازت ہو تو کوئی اونچی چیز بنوادوں، جس پر آپ بیٹھ کر خطبہ دے سکیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! منبر بنوادو[4]

---

[1] بخاری، الادب المفرد: ۲/۴۹۰۔

[2] رواہ البخاری تعلیقاً۔ کتاب المرضیٰ، باب عیادۃ النساء الرجال و رواہ مرفوعا فی الادب المفرد: ۱/۶۲۷۔

[3] بخاری، الادب المفرد: ۱/۶۰۶۔

[4] بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الاستعانۃ بالنجار والصناع۔

مکہ میں پانی کی سخت تکلیف تھی۔ ایک مُشک پانی ایک دینار میں فروخت ہو تھا۔ زبیدہ بنت جعفر نے دس میل لمبی نہر کی تعمیر کا حکم دیا، تاکہ مکہ والوں کو آسانی سے پانی مل سکے۔ اس کے لیے پہاڑوں کو توڑنا اور چٹانوں کو کاٹنا پڑ رہا تھا۔ اس کام کے نگراں نے زبیدہ سے کہا کہ اس پر بہت خرچ آ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا: اسے ضرو انجام دینا ہے، چاہے ہتھوڑے کی ایک ضرب پر ایک دینار ہی کیوں نہ خرچ آئے۔ اس طرح یہ زبردست کام انجام پایا۔[1]

سیاسی محاذ پر

دورِ اوّل کی مسلمان خواتین اعلیٰ سیاسی مناصب پر تو ہمیں نظر نہیں آتیں، لیکن وہ سیاست سے غیر متعلق بھی نہیں رہی ہیں۔ انھوں نے اپنے دور کے سیاسی حالات پر نظر رکھی۔ اسلامی ریاست کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی اور قربانیاں دیں، خلفاء اور امرا کو نصیحتیں کیں، مشورے دیے اور حسب حال سیاسی خدمات انجام دیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کے ساتھ خواتین بھی جنگوں میں شریک ہوتی تھیں اور مختلف پہلوؤں سے ان کی مدد کرتی تھیں۔ یہاں صرف دو ایک مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ لیلیٰ الغفاریہؓ کے بارے میں علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں:

كَانَتْ تَخْرُجُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ مَغَازِيْهِ تُدَاوِي الْجَرْحٰى وَ تَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى[2]

نبی ﷺ کے ساتھ آپ کے غزوات میں وہ جاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور مریضوں کی دیکھ بھال کرتیں۔

ام سلیطؓ کے حالات میں ابن سعد نے لکھا ہے:

---

[1] ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۲/ ۷۰۔

[2] الاستیعاب: ۴/ ۴۶۳، ۴۶۴۔

اَسْلَمَتْ اُمُّ سَلِيْطٍ وَ بَايَعَتْ وَ شَهِدَتْ خَيْبَرَ وَ حُنَيْنًا[1]

امّ سلیط اسلام لائیں، بیعت کی اور خیبر اور حنین میں شریک ہوئیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا الْقِرَبَ يَوْمَ اُحُدٍ[2]

وہ ہمارے لیے احد میں مُشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں۔

روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی کامیابی سے چھوٹی بڑی ہر خاتون خوشی اور مسرت محسوس کرتی تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نگ سے واپس ہوئے تو ایک سیاہ فام باندی آئی اور کہا کہ میں نے یہ نذر مانی تھی کہ خیریت کے ساتھ آپؐ کی واپسی ہوگی تو آپ کے سامنے دف بجا کر اور گا کر وشی کا اظہار کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا: اگر واقعی تم نے نذر مانی ہے تو پوری کرلو، رنہ رہنے دو۔ اس نے عرض کیا: میں نے نذر مانی ہے۔ چناں چہ آپ بیٹھ گئے اور س نے گا کر اور دف بجا کر خوشی کا اظہار کیا۔[3]

مسلمان خواتین نے اپنے وقت کے خلفاء کو نصیحتیں بھی کی ہیں۔ حضرت عاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ مجھے ایک مختصر سی نصیحت کیجیے۔ حضرت عائشہؓ نے سولِ اکرمؐ کا یہ ارشاد لکھ کر بھیجا جس میں ایک حاکم کے لیے بہترین راہ نمائی ہے:

مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَ مَنْ اِلْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ

جو شخص لوگوں کو ناخوش کرکے اللہ کی رضا تلاش کرے (لوگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، کیوں کہ) اللہ تعالیٰ اسے انسانوں کے شر سے بچا لیتا ہے، لیکن جو

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۴۱۹۔

[2] ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۹۳۔

[3] ترمذی: کتاب المناقب، باب مناقب عمر ابی حفص۔ ابوداؤد، کتاب النذور، باب مایؤمر بہ من وفاء النذر۔

بِسَخَطِ اللّٰہِ وَ کَلَہُ اللّٰہُ اِلَی النَّاسِ[1]

شخص اللہ کو خفا کر کے لوگوں کی خوش نودی ڈھونڈے تو اللہ تعالیٰ اسے ان ہی کے حوالہ کر دیتا ہے (اور وہ جس طرح چاہتے ہیں اس پر حکومت کرتے ہیں)۔

قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ حج کے موقعے پر حضرت معاویہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پہنچے۔ اس وقت ان دونوں کے ساتھ صرف حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوان تھے۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہؓ سے کہا: آپ نے میرے بھائی محمد بن ابوبکر کو قتل کرادیا۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ میں وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور مصر میں شہید ہوئے تھے۔ کیا آپ کو اس کا خیال نہیں آیا کہ میں بھی کسی آدمی کو لگا سکتی ہوں، جو آپؓ کو قتل کردے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: مجھے امید ہے، آپ ایسا نہیں کریں گی۔ پھر ان کو حضرت عائشہؓ نے نصیحت فرمائی اور اتباعِ شریعت کی ترغیب دی۔[2]

بریرہ ایک لونڈی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا تھا۔ امو خلیفہ عبدالملک بن مروان کا بیان ہے کہ خلافت سے پہلے میں بریرہ کی مجلس میں بیٹ کرتا تھا۔ وہ مجھ سے کہتی تھیں کہ میں تمہارے اندر بعض خوبیاں دیکھتی ہوں۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ حکومت اور خلافت تمھیں ملے گی۔ اگر تمھیں خلافت حاصل ہو تو خوں ریزی سے بچنا، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جنت کو دیکھنے کے بعد بھی انسان اس کے دروازے سے ہٹا دیا جائے گا، اس تھوڑے سے خونِ ناحق کی وجہ سے جو اس نے کسی مسلمان کا بہایا ہوگا۔[3]

شفاء بنت عبداللہؓ کے حالات میں علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:

---

[1] ترمذی، ابواب الزہد، باب ۶۴

[2] ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۳۱۔

[3] ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/۳۵۸۔

اَسْلَمَتِ الشِّفَاءُ قَبْلَ الْهِجْرَةِ فَهِيَ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ الْاَوَّلِ وَ بَايَعَتِ النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَتْ مِنْ عُقَلاَءِ النِّسَاءِ وَ فُضَلاَئِهِنَّ... وَ كَانَ عُمَرُ يُقَدِّمُهَا فِي الرَّأْيِ وَ يَرْضَاهَا وَ يُفَضِّلُهَا وَ رُبَّمَا وَلَّاهَا شَيْئًا مِّنْ اَمْرِ السُّوْقِ[1]

شفاءؓ ہجرت سے پہلے اسلام لا چکی تھیں۔ وہ ابتدائی مہاجرین میں سے تھیں، انھوں نے نبی ﷺ سے بیعت بھی کی تھی۔ وہ عقل و فہم اور فضیلت والی عورتوں میں تھیں.... حضرت عمرؓ ان کو رائے اور مشورہ میں آگے بڑھاتے، ان کو خوش رکھتے اور ان کو (دوسروں پر) فضیلت دیتے۔ بسا اوقات ان کو بازار کی کوئی ذمے داری بھی سونپتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاء بنت عبد اللہ کی عقل و دانش اور علم و فضل ب کے نزدیک مسلّم تھی۔ حضرت عمرؓ ان کی رایوں کو اہمیت دیتے تھے اور بعض اجی خدمات بھی ان کے سپرد کی تھیں۔

فاطمہ بنت قیسؓ مشہور صحابیہ ہیں۔ ابتدائی مہاجرین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے حالات میں علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں:

كَانَتْ ذَاتَ جَمَالٍ وَ عَقْلٍ وَ كَمَالٍ وَ فِيْ بَيْتِهَا اِجْتَمَعَ اَصْحَابُ الشُّوْرٰى عِنْدَ قَتْلِ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِؓ وَ خَطَبُوْا خُطْبَهُمُ الْمَاثُوْرَةَ قَالَ الزُّبَيْرُ وَ كَانَتْ اِمْرَأَةً نَجُوْدًا[2]

وہ صاحب جمال اور عقل و کمال والی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان ہی کے مکان پر اصحاب شوریٰ جمع ہوئے تھے اور انھوں نے وہ تقریریں کی تھیں، جو ان سے منقول ہیں۔ زبیر (ابن بکار) نے کہا ہے کہ وہ شریف خاتون تھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فہم و فکر اور شرافت پر سب کو اعتماد تھا۔ نرت عمرؓ کی شہادت کے بعد صحابہ کی مجلس شوریٰ میں خلیفہ کے انتخاب کے سلسلے میں،

---

[1] ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۲۳، ۴۲۴۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/ ۲۰۱، ۲۰۲۔

[2] ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۵۴۔

جو زبردست بحثیں ہوئی تھیں وہ ان ہی کے گھر پر ہوئی تھیں۔ بظاہر وہ ان سے براہِ راست متعلق اور ان سے واقف بھی رہی ہوں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان خواتین دین و اخلاق، سیرت و کردار، علم و سیاست اور تہذیب و معاشرت ہر میدان میں نمایاں رہی ہیں۔ انھوں نے مختلف پہلوؤں سے اسلام کی اتنی زبردست خدمت انجام دی ہے کہ تاریخ کا کوئی بھی طالب علم نہ تو ان سے نظر انداز کرسکتا ہے اور نہ کم کرکے دکھا سکتا ہے۔

دورِ حاضر میں مسلم خواتین کی ملازمت کا مسئلہ

(موجودہ دور میں مسلم خواتین کی ملازمت سے متعلق اسلامک فقہ اکیڈمی (نئی دہلی) کے ایک سوال نامہ کے جواب میں ذیل کا مضمون تحریر کیا گیا۔ سوالات فقہ اکیڈمی ہی کے قائم کردہ ہیں۔)

خاندان میں مرد اور عورت کے فرائض

خاندانی نظام میں عام طور پر مرد کی حیثیت سربراہ کی ہوتی ہے۔ وہ اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے، بیوی بچوں اور بعض اوقات قریبی عزیزوں کی معاش اور دوسری ضروریات کا نظم کرتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ دوسری طرف عورت امور خانہ داری انجام دیتی ہے، جس میں گھر کے نظام کو ٹھیک رکھنا، بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش اور شوہر کے مال کی حفاظت جیسے امور شامل ہیں۔ خاندان کا یہی نظام عرب میں بھی رائج تھا۔ اس نظام میں بعض بڑی بے اعتدالیاں تھیں، ایک دوسرے کے حقوق متعین نہیں تھے، ذمہ داریاں واضح نہیں تھیں۔ بعض اوقات عدل و انصاف کے صریح تقاضے پورے نہیں ہوتے تھے۔ عورت اپنی طبعی کم زوری کی وجہ سے سب کچھ برداشت کرتی تھی۔ اسلام نے خاندان کا نظام باقی رکھا، اسے مستحکم بنیادیں فراہم کیں، ظلم و نا انصافی سے پاک کیا، مرد اور عورت کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کیا، مرد کی مطلق بالا دستی ختم کی، عورت کی کم زوری کی

رعایت کی اور اسے قانونی تحفظ فراہم کیا۔ خاندان کی بقا اور استحکام کے لیے اس نے مر سے کہا کہ وہ عورت کی معاش کا ذمہ دار ہے۔ یعنی از روئے قانون عورت کا یہ حق قرا دیا کہ مرد اس کا نان نفقہ برداشت کرے۔ اس انتظام کی بظاہر ایک حکمت یہ ہے کہ عورت گھر کے داخلی نظم کو چلانے کے لیے خود کو فارغ کر سکے۔

تعلیم یافتہ خواتین میں ملازمت کا رجحان

موجودہ دور میں جو سماجی تبدیلیاں آئی ہیں اور ضروریاتِ زندگی کا دائرہ جس طرح وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اس میں یہ ضروری سمجھا جانے لگا ہے کہ مرد کے ساتھ عورت بھی معاشی جدو جہد میں شریک ہو۔ آج کی عورت خود بھی معاشی طور پ خودکفیل ہونا چاہتی ہے اور خاوند یا کسی دوسرے فرد پر انحصار کرنا نہیں چاہتی۔ اسے اس کے مواقع بھی حاصل ہیں۔

آج بہت سی مسلمان خواتین، خصوصاً تعلیم یافتہ خواتین بھی اسی طرح سوچنے ہیں اور عملاً معیشت کے میدان میں حصہ لے رہی ہیں۔ ان کے سلسلے میں بعض وہ سوالات جو اس وقت پیش نظر ہیں، یہاں ان کا جواب دینے کی طالب علمانہ کوشش کی جارہی ہے۔

سوال:۱

شریعت اسلامی خواتین کے لیے کسبِ معاش کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟

جواب:

اسلام نے عورت کو معاش کی فکر سے بڑی حد تک بے نیاز رکھا ہے۔ اس کے لیے وہ عام حالات میں مجبور نہیں ہے، لیکن اس کی معاشی جدو جہد کو ناپسندیدہ نہیں کہ جاسکتا۔ رزق کو قرآن مجید میں اللہ کا فضل کہا گیا ہے اور اسے تلاش کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. (الجمعہ:۱۰)

جب نماز ختم ہوجائے تو (تمھیں اجازت ہے کہ) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

عورت کو بھی اللہ کا فضل تلاش کرنے کا حق ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ حق صرف مرد کو حاصل ہے، عورت کو حاصل نہیں ہے۔ اس پر ایک اور پہلو سے بھی غور کیا جاسکتا ہے۔

عورت کو مختلف ذرائع سے مال حاصل ہوتا ہے، ان میں مہر اور میراث شامل ہے، جس کی مقدار بعض اوقات بڑی ہوسکتی ہے۔ تحفہ، عطیہ اور ہبہ کی شکل میں اس کے پاس مال آسکتا ہے، وہ چھوٹے بڑے وقف کی نگراں ہوسکتی ہے۔ از روئے شرع اسے اس کا حق ہے کہ اپنے سرمایہ کو ترقی دے اور اس میں اضافے کی کوشش کرے۔ وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کا بھی حق رکھتی ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، ابن المنذرؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لِلْمَرْأَةِ الرَّشِيْدَةِ التَّصَرُّفُ فِيْ مَا لِهَا كُلِّهَا بِالتَّبَرُّعِ وَالْمُعَاوَضَةِ[1]

سمجھ دار عورت کے لیے اپنے پورے مال میں تصرف کا حق ہے۔ اسے وہ نیک کاموں میں صرف کرسکتی ہے اور معاوضہ پر بھی لگا سکتی ہے۔

اسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ کسی کم سن لڑکی کا مال اس کے ولی کے پاس ہو تو جب وہ بالغ ہوجائے اور اسے سوجھ بوجھ حاصل ہوجائے تو اس کا مال اس کے حوالے

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۶۰۲۔ تحقیق الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی و الدکتور عبدالفتاح محمد حلو، ہجر القاہرۃ، ۱۹۹۲ء۔ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے۔ ایک روایت امام احمد سے بھی اس کی تائید میں ہے کہ عورت اپنا مال شوہر کی اجازت کے بغیر ایک تہائی سے زیادہ صرف نہیں کرسکتی۔ ابن قدامہ نے دلائل سے اس کی کم زوری واضح کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ص ۶۰۲-۶۰۴۔

کردیا جائے گا، چاہے اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ یہی حضرت عطاء بن ابی رباح، اما
ثوری، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ابوثور اور ابن المنذر کا مسلک ہے[1]

سوال: ۲

کیا شریعت نے خواتین پر بھی نان ونفقہ کی ذمے داری رکھی ہے؟ (خواہ ا
نفقہ ہو یا بچوں وغیرہ کا)

جواب:

شریعت نے عام حالات میں عورت پر معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے۔ خ
اس کا نفقہ پیدائش کے بعد سے بلوغ تک، بلکہ جب تک شادی نہ ہوجائے باپ کے
ذمہ ہے۔ شادی کے بعد شوہر پر اس کا نان نفقہ واجب ہے، لیکن بعض حالات میں کس
نہ کسی درجہ میں اس پر بھی معاشی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کی بعض مثالیں ذیل
میں دی جارہی ہیں:

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر بچوں کا باپ نہیں ہے تو ماں پر ان کا نا
نفقہ واجب ہوگا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ کہتے ہیں:

ان الام تجب نفقتها ويجب عليها ان تنفق على ولدها إذا لم يكن له اب و بهذا قال أبو حنيفة والشافعي.[2]

ماں کا نفقہ اولاد پر واجب ہے، اسی طرح ماں پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد پر خرچ کرے اگر اس کا باپ نہ ہو۔ (امام احمد کے ساتھ) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے۔

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۲۰۱-۲۰۲۔ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رائے یہ ہے کہ شادی سے پہلے اس کا مال اس کے حوالہ نہیں کیا جائے گا۔ ابن قدامہ نے اس نقد کیا ہے اور اس کی کم زوری واضح کی ہے۔

[2] ابن قدامہ، المغنی: ۱۱/ ۳۰۳۔ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے، ان کے نزدیک عصبات پر نفقہ واج ہوتا ہے۔ ماں عصبہ نہیں ہے، اس لیے اس پر اولاد کا نفقہ واجب ہے نہ اولاد پر اس کا نان نفقہ لازم ہے۔ حكي عن مالك انه لاَ نفقة عليها ولاَ لها لِانها ليست عصبة لولدها۔ المغنی: ۱۱/ ۳۷۳۔

مزید فرماتے ہیں:

فان اعسر الأب وجبت النفقة على الأم، ولم ترجع بها عليه ان أيسر۔[1]

اگر باپ تنگ دست ہو اور اولاد کا نفقہ نہ برداشت کرسکے تو ماں پر اس کا نفقہ واجب ہوجائے گا۔ یہ اس کی طرف سے قرض نہ ہوگا، اس لیے باپ بعد میں خوش حال یا صاحب حیثیت ہوجائے تو اس کا مطالبہ وہ اس سے نہ کرسکے گی۔

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے:

ام معسرة وجدّة موسرة النفقة على الجدة۔[2]

ماں تنگ دست اور دادی خوش حال ہے تو نفقہ دادی پر واجب ہوگا۔

بالغ اولاد جو اپنا خرچ نہیں اٹھاسکتی، اس کے متعلق فقہ حنفی کی معتبر کتاب تدوری میں کہا گیا ہے:

وتجب نفقة الابنة البالغة والابن الزمن على ابويه اثلاثاً، على الاَب الثلثان وعلى الأم الثلث۔[3]

لڑکی جو بالغہ ہے اور لڑکا جو بلوغ کے بعد معذور اور اپاہج ہے اس کا نفقہ باپ اور ماں دونوں پر واجب ہوگا۔ باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی۔

اسی طرح کہا گیا ہے کہ بھائی اگر تنگ دست ہے تو بہنوں پر ان کی میراث کے لحاظ سے نفقہ واجب ہے۔ (ونفقة الأخ المعسر على الاخوات المتفرقات خماساً على قدر الميراث) وہ اس طرح کہ حقیقی بہن پر ۵/۳ اور اخیافی بہن اور علاتی بہن میں سے ہر ایک پر ۵/۱ ہوگا۔[4]

---

[1] المغنی: ۱۱/۳۷۳۔

[2] المغنی: ۱۱/۳۷۶۔

[3] ہدایہ مع نصب الرایہ: ۳/۴۰۷۔ دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۶ء۔

[4] ہدایہ مع فتح القدیر لابن الہمام: ۴/۳۸۱، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء۔

اس وقت نفقات کے سلسلے میں فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل زیر بحث نہیں ہیں۔[۱] یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں جن میں اگر کہا جائے کہ عورت پر بھی از روئے شرع افرادِ خاندان کا نفقہ واجب ہوتا ہے تو جمہورِ فقہاء کی اسے تائید حاصل ہوگی۔

اس قانونی بحث سے قطع نظر افراد خاندان میں الفت و محبت اور تعاون ہمدردی کے، جو فطری جذبات پائے جاتے ہیں، ان کے کچھ اور تقاضے ہیں۔ اسلام ان جذبات کو ابھارتا اور تقویت پہنچاتا ہے۔ شوہر کا نفقہ بیوی پر کسی حال میں واجب نہیں ہے، لیکن خوش حال بیوی تنگ دست شوہر کی مدد کرسکے تو یہ اعلیٰ اخلاق کا ثبوت ہوگا شریعت اسے بہت بڑے اجر و ثواب کا عمل قرار دیتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی، ان کی بیوی زینب ان پر اور اپنے یتیم بچوں پر (جو سابق شوہر سے تھے) خرچ کرتی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

أَيَجْزِئُ عَنِّي اَنْ اُنْفِقَ عَلٰى زَوْجِيْ وَاِيتَامٍ فِيْ حِجْرِيْ.

کیا میرا اپنے شوہر پر اور اپنے ان یتیم بچوں پر جو میری حفاظت اور نگرانی میں ہیں، خرچ کرنا میری طرف سے کافی ہوجائے گا اور میں اپنے فرض سے سبک دوش ہوجاؤں گی۔

یہی سوال ایک اور خاتون کو درپیش تھا۔ آپ نے دونوں سے فرمایا:

لَهُمَا اَجْرَانِ: اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ.[۲]

ہاں، ان کے لیے دو اجر ہیں: ایک قرابت کا اجر اور ایک صدقہ کا اجر۔

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ابوسلمہؓ کا انتقال ہوچ

---

۱ اس سلسلے کی کسی قدر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۲، جزء ص ۱۱۱-۱۱۳، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۸۸ء۔

۲ بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحجر۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین الخ۔

ہے۔ اب ان کے بچوں پر اگر میں خرچ کروں تو کیا مجھے اس کا اجر ملے گا۔ میں انھیں چھوڑ بھی نہیں سکتی۔ بہر حال وہ میرے بچے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

نعم، لَکِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَیْهِمْ[1] ہاں، تم ان پر جو کچھ خرچ کروگی اس کا تمھیں اجر ملے گا۔

بعض اوقات عورت پر افراد خاندان کی مدد کی اخلاقی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ یہ احادیث بتاتی ہیں کہ شوہر اور گھر کے دوسرے افراد ضرورت مند ہوں اور عورت ان کی ضرورت پوری کرے تو وہ دوسرے مداتِ خیر میں خرچ کرنے سے زیادہ اجر و ثواب کی مستحق ہوگی۔ اس جذبہ سے اگر عورت اپنی مالی حیثیت کو بہتر بنانے کی کوئی جائز تدبیر اختیار کرے تو اسے ناجائز نہیں، بلکہ جائز اور پسندیدہ ہی کہا جائے گا۔

سوال: ۳

محض معیارِ زندگی کو بلند کرنے، یا وقت گزاری اور سرمایہ و اثاثہ پیدا کرنے کی غرض سے عورتوں کے لیے معاشی جدو جہد کا کیا حکم ہے؟ جب کہ گھر کی مالی حالت ایسی ہے کہ اس میں تنگی ترشی سے کام چل سکتا ہے اور چلتا ہے؟

جواب:

اسلام نے دنیا میں ملوث ہونے اور اپنی توانائیوں کو اسی میں لگا دینے سے منع کیا ہے اور قناعت کی تعلیم دی ہے، لیکن اگر کوئی شخص جائز اور حلال ذرائع سے مال حاصل کرتا اور آسائش و راحت کی زندگی گزارتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطے کہ اس کی معاشی مصروفیات ایسی نہ ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جائے، اس کے بندوں کے حقوق کو فراموش کر بیٹھے اور دنیا پرستوں کی طرح غفلت کی زندگی گزارنے لگے۔ کاروبارِ دنیا میں لگے نیک بندوں کو اس کی یاد سے، نماز اور زکوٰۃ سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ وہ اللہ

---

[1] بخاری، کتاب النفقات، باب علی الوارث مثل ذالک۔

کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْأَبْصَارُ ○ (النور: ۳۷)

وہ لوگ کہ انھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غفلت میں نہیں ڈالتے۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں (خوف سے) الٹ جائیں گے۔

تجارت اور خرید و فروخت سے ضروریات زندگی بھی پوری ہوسکتی ہیں اور خوش حالی کا بھی امکان ہے۔ تجارت میں بالعموم یہ دونوں ہی باتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ مرد کی طرح عورت بھی اسلامی حدود میں عسرت کی جگہ راحت کی زندگی کے لیے تجارت یا کوئی جائز تدبیر اختیار کرے تو اسے غلط نہیں کہا جاسکتا۔ شریعت نے اس معاملہ میں مرد اور عورت کے درمیان بہ ظاہر کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

سوال: ۴

خواتین کے لیے کسب معاش کی کوئی صورت اختیار کرنے میں کیا اس وقت بھی، جب کہ وہ اندرون خانہ ہی اپنی معاشی سرگرمیوں کو محدود رکھیں، اپنے ولی یا شوہر سے اجازت لینا ضروری ہوگا؟

جواب:

عورت کے لیے اندرون خانہ اپنی معاشی مصروفیت کے لیے شوہر سے اجازت لینی ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے نان ونفقہ کا از روئے شرع، مرد ذمہ دار ہے۔ وہ کسبِ معاش کے لیے مجبور نہیں ہے۔ عورت کا نان ونفقہ مرد پر اس لیے بھی واجب ہے کہ وہ اس کا وقت لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عورت نان ونفقہ کے عوض شوہر کے لیے اپنا وقت فارغ کرتی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

النفقة جزاء الاحتباس، فكل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه.

نفقہ عورت کو روکے رکھنے کا معاوضہ ہے۔ جو شخص دوسرے کے فائدے کے لیے محبوس ہے (اپنا وقت اسے دے رہا ہے) اس کا نفقہ اس پر واجب ہوگا۔

اس کی دلیل یہ دی گئی ہے:

اصله القاضي والعامل في الصدقات[1]

اس کی اصل قاضی اور عاملِ صدقات ہے۔

قاضی اور عامل صدقات کے اوقات مسلمانوں کی فلاح کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں، اس لیے ان کا نفقہ بیت المال پر واجب ہوتا ہے۔ یہی معاملہ عورت کے زن و نفقہ کا ہے۔ جب عورت کے اوقات شوہر کے لیے فارغ ہیں تو وہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسری مصروفیت نہیں اختیار کرسکتی۔

سوال:۵

اگر عورت کو کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو کیا اس کے لیے ولی یا شوہر کی اجازت ضروری ہے؟ گھر سے نکلنا مسافتِ سفر یا اس سے زیادہ کے لیے، اس سے کم کے لیے، دن کے وقت ہو یا رات کے وقت، ولی اس خاتون کی کفالت کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، ان صورتوں میں حکم شرعی کے اعتبار سے کچھ فرق بھی ہوگا؟

جواب:

عورت کو گھر کے اندر کوئی ذریعۂ معاش اختیار کرنے کے لیے جب شوہر کی اجازت ضروری ہے تو اس مقصد سے باہر نکلنے کے لیے بدرجۂ اولیٰ اجازت ضروری ہوگی۔ وہ اسے اجازت دے بھی سکتا ہے اور منع بھی کرسکتا ہے۔

---

[1] ہدایہ اولین، کتاب الطلاق، باب النفقہ، ص ۴۱۷، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱۳۵۰ھ۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

وللزوج منعها من الخروج الی ما لها منه بد.

شوہر کو یہ حق ہے کہ عورت کو باہر نکلنے سے ان امور کے لیے بھی منع کردے جو اس کے لیے ضروری ہیں۔

مزید کہتے ہیں:

ولاَ یجوز لهـا الخـروج الاّ باذنه۔[۱]

عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔

اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شوہر کو قانونی طور پر اس کا حق ضرور ہے کہ بیوی کو اپنے والدین کی عیادت کے لیے جانے سے بھی منع کرے، لیکن یہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے منافی ہے، اس لیے اس کی اجازت اسے دینی چاہیے۔ اسی طرح وہ بیوی کو مسجد جانے سے روک سکتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انھیں نہ روکا جائے۔[۲]

عورت کے سفر کے سلسلے میں حدیث میں صراحت ہے کہ بغیر محرم کے اس کا سفر کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ حکم کتنی مسافت کے لیے ہے؟ اس سلسلے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ یحلّ لامرأة تُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ، تُسَافِرُ مَسِیْرَةَ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ اِلاَّ مَعَ ذِیْ مَحْرَم عَلَیْهَا۔[۳]

کسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ کوئی ایسا سفر بغیر محرم کے کرے جس کی مسافت ایک دن اور رات کی ہو۔

اس روایت میں عورت کو، اگر محرم اس کے ساتھ نہ ہو تو، ایک دن کی مسافت

۱۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰/ ۲۲۴۔

۲۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰/ ۲۲۴۔

۳۔ مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ۔

والے سفر سے منع کیا گیا ہے۔ بعض دوسری روایات میں دو دن اور تین دن کی مسافت کا ذکر ہے۔ اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں مسافت کا ذکر ہی نہیں ہے۔

لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ اِلاّ مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ[1] عورت سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ۔

محدثین نے ان روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ اس اختلاف کا تعلق سوال کے اختلاف سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے عورت کے تین دن کے سفر کے متعلق، کسی نے دو دن اور کسی نے ایک دن کے سفر کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے ہر موقع پر یہ جواب دیا کہ اس کا بغیر محرم کے سفر کرنا منع ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں 'برید' کا لفظ آیا ہے، جو آدھے دن کے سفر کے لیے بولا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بتاتی ہے کہ عورت کا بغیر محرم کے مطلق سفر صحیح نہیں ہے۔ اسی پر دوسری روایتوں کو محمول کرنا چاہیے۔[2]

موجودہ دور میں سفر آسان ہوگیا ہے، فاصلے سمٹ گئے ہیں، آمد و رفت کے تیز رفتار ذرائع موجود ہیں، آدمی گھنٹوں میں ہزاروں میل کا سفر طے کرکے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ جاتا ہے۔ تمدنی حالات نے سفر کو ایک ضرورت بنادیا ہے اور چھوٹے بڑے سفر بہ کثرت ہونے لگے ہیں۔ سفر میں اجنبی مرد اور عورت کے لیے خلوت کے امکانات اور مواقع ہوتے بھی ہیں اور نہیں بھی ہوتے، عورت کے ساتھ دست درازی بھی ہوسکتی ہے۔ اس وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عورت کا تنہا سفر خطرات سے بالکل محفوظ ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ عورت کا سفر شوہر یا محرم کے ساتھ ہو۔ اس پورے پس منظر میں اس مسئلہ پر مزید غور و فکر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

جہاں تک اوقات ملازمت کا تعلق ہے آج کل ملازمت کبھی دن کی ہوتی ہے

---

[1] ان روایات کے لیے ملاحظہ ہو: مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ۔

[2] نووی، شرح مسلم، ج ۵، جزء ۹، ص ۸۷-۸۸، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء۔

اور کبھی رات کی۔ خطرات دونوں میں ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی اصول وضع نہیں کیا جاسکتا۔ دین دار مرد اور عورت فائدے اور نقصان اور خطر اور عدم خطر کا خود ہی فیصلہ کرسکتے ہیں۔

یہ سوال کہ ولی یا شوہر کے عورت کی کفالت کرنے یا نہ کرنے سے اس معاملہ میں کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے۔ عورت کی کفالت کی ذمہ داری اس کے ولی یا شوہر کی ہے۔ اگر وہ اس ذمے داری کے ادا کرنے سے معذور ہیں، یا عملاً ادا نہیں کر رہے ہیں تو اس کے احکام دوسرے ہیں۔ اس سے ان کا یہ حق ساقط نہیں ہوتا کہ ان کی اجازت ہی سے اسے گھر سے باہر نکلنا چاہیے۔

سوال:۶

خواتین کے لیے ملازمت کے سلسلہ میں شرعی حدود کیا ہیں؟

جواب:

اس ذیل میں تین اہم اصول سامنے آتے ہیں:

۱- مرد ہو یا عورت وہ ایسی ملازمت نہیں اختیار کرسکتے، جو شرعی نقطۂ نظر سے ناجائز ہو، جیسے بینک کی ملازمت، یا شراب اور جوئے کا کاروبار، یا اسی نوعیت کے دوسرے کام، جن کی حرمت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

۲- عورت کو اس کے ولی یا شوہر کی اجازت حاصل ہو۔

۳- عورت اور مرد کا اختلاط نہ ہو۔

سوال:۷

ملازمت کرنے والی خواتین اگر ایسے اداروں میں کام کریں (خواہ تعلیمی ادارے ہوں یا دوسرے) جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں اور کام کی جگہوں میں مرد نہ ہوتے ہوں، البتہ ادارے کے ذمہ دار مرد ہوں، تو اس صورت میں پردے کے کیا احکام ہوں گے؟

اگرعورت ایسی جگہ کام کرے جہاں مرد کارکن بھی ہوں تو اس وقت خاتون کارکنوں کے لیے پردہ کی کیا حدود ہوں گی ؟اس سلسلے میں کیا سن رسیدہ خواتین اور جوان عورتوں کے درمیان فرق ہوگا؟

جواب:

خواتین ایسے اداروں میں ملازمت کرسکتی ہیں جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں، اور کام کی جگہوں میں مرد نہ ہوتے ہوں۔ مرد ذمہ دار ہوں تو شرعی حدود کے اندر ان سے بات ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں دو امور غور طلب ہیں، ایک کا تعلق عورت کے حدودِ حجاب سے ہے، دوسرا مسئلہ ہے عورت کا کسی غیر محرم سے بات کرنا۔

(الف) جہاں تک عورت کے حجاب کا تعلق ہے۔ اس کا حجاب از روئے شرع پورے بدن کا ہے۔ وہ اپنے بدن کا کوئی حصہ کسی نامحرم کے سامنے نہیں کھول سکتی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ[1] — عورت خود کو پوشیدہ رکھے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکنے لگتا ہے۔

مطلب یہ کہ عورت کو پردے میں ہونا چاہیے۔ جب وہ اس سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اپنی کارروائی شروع کردیتا ہے۔ اس میں خود عورت کے گم راہ ہونے یا کسی دوسرے کے گم راہ ہونے کا خطرہ ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ عورت کے چہرے اور ہاتھ کا بھی حجاب ہے یا وہ نامحرم کے سامنے انھیں کھول سکتی ہے؟ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے دونوں نقطۂ نظر بیان کیے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی حدودِ حجاب میں شامل ہیں۔[2] (اس عاجز کی بھی یہی رائے ہے)

---

[1] ترمذی، کتاب الرضاع، باب:۱۸۔

[2] ابن قدامہ، المغنی: ۹/۴۹۸-۵۰۰۔

جب عورت کے پورے بدن کا حجاب ہے تو مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے کسی حصۂ بدن کو بلاوجہ دیکھے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

نظر الرجل الی الاجنبیة من غیر سبب فانه محرم الی جمیعها۔[۱]

اجنبی عورت کے پورے ہی جسم کو بغیر کسی سبب کے دیکھنا مرد کے لیے حرام ہے۔

اس کے ساتھ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عورت اپنا چہرہ اور ہاتھ وقت ضرورت اجنبی شخص کے سامنے کھول سکتی ہے اور وہ اسے دیکھ سکتا ہے۔

فقہ حنفی میں اس کے جواز کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:

وینظر من الأجنبیة إلی وجهها وکفیها فقط للضّرورة۔[۲]

اجنبی عورت کے چہرے اور اس کی ہتھیلیوں کو آدمی صرف ضرورت کے تحت دیکھے گا۔

اس کے ساتھ تاتارخانیہ کے حوالے سے کہا گیا ہے:

النظر إلی وجه الأجنبیة الحرة لیس بحرام، ولکنه یکره لغیر حاجة۔[۳]

آزاد اجنبی عورت کے چہرے کو دیکھنا حرام تو نہیں ہے، لیکن بغیر کسی ضرورت کے دیکھنا مکروہ ہے۔

اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- کسی خاتون سے آدمی نکاح کرنا چاہے تو حدیث میں آتا ہے کہ ممکن ہو تو اسے دیکھ بھی لینا چاہیے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا خطب أحدکم المرأة فان استطاع أن ینظر إلی ما یدعوه إلی نکاحها فلیفعل۔[۴]

جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے رشتہ کرے تو ہوسکے تو اسے وہ اس قدر دیکھ لے جو اسے اس سے نکاح پر آمادہ کرے۔

---

[۱] ابن قدامۃ، المغنی: ۹/۴۹۸۔

[۲] الدر المختار مع ردالمحتار: ۹/۵۳۱، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۴ء۔

[۳] حوالہ سابق: ص ۵۳۲۔

[۴] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر الی المرأة وهو یرید تزویجها۔

اس سے مراد، جیسا کہ فقہ حنفی میں کہا گیا ہے، چہرہ ہے[۱]

علماء کا اس کے جواز پر اتفاق ہے۔[۲]

۲- بعض اوقات عورت کو ہاتھ کلائیوں سے اوپر تک بھی کھولنے پڑتے ہیں۔ چناں چہ خادمائیں، جو اجرت پر روٹی اور کھانا پکاتی یا کپڑے دھوتی ہیں، ان کے ہاتھ عموماً کہنیوں تک کھلے رہتے ہیں، ان کا دیکھنا ناجائز نہیں ہے۔[۳]

۳- مرض عورت کے بدن کے کسی بھی حصہ میں ہو، طبیب اسے حسب ضرورت دیکھ سکتا ہے۔ اس میں ہاتھ اور چہرے کی قید نہیں ہے۔[۴]

۴- ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت سے کاروبار یا اجرت کا معاملہ ہو تو اس کے چہرے کو آدمی دیکھے گا، تاکہ اسے پہچان سکے اور نقصان ہو تو تاوان کا مطالبہ کر سکے۔ ایک روایت یہ ہے کہ امام احمدؒ نے اسے ناپسند کیا ہے، یا بڑی بوڑھی عورت سے متعلق قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق اس سے ہے کہ آدمی عورت کو بے ضرورت دیکھے:

فاما مع الحاجة وعدم الشهوة فلا بأس[۵]	لیکن جہاں ضرورت ہو اور شہوت نہ پائی جائے تو دیکھنے میں حرج نہیں ہے۔

۵- اسی طرح باندیوں کے احکامِ حجاب میں رعایت ہے۔ المغنی میں ہے:

الأمة يباح النظر منها إلى مايظهر غالباً[۶]	لونڈی کے جسم کا جو حصہ عموماً کھلا رہتا ہے اس کا دیکھنا جائز ہے۔

---

۱ رد المحتار مع درالمختار: ۹/۵۳۲۔

۲ ابن قدامہ، المغنی: ۹/۴۸۹۔

۳ الدر المختار مع رد المحتار: ۹/۵۳۱۔

۴ حوالہ سابق، ص ۵۳۳۔

۵ المغنی: ۹/۴۹۸۔

۶ المغنی: ۹/۵۰۰۔

۶- غلام اپنی مالکہ کے چہرے اور ہاتھ کو بغیر شہوت کے دیکھ سکتا ہے، شہوت ہوتو دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک غلام کا حکم محرم کا ہے۔[۱]

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ عورت حسب ضرورت ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے اور مرد کے لیے اس کا دیکھنا جائز ہے، لیکن اس میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس سے شہوانی جذبات نہ مشتعل ہوں اور آدمی غلط روی نہ اختیار کرے۔

(ب) اب کسی نامحرم خاتون سے گفتگو کے مسئلہ کو لیجیے۔

فقہ حنفی کی رو سے عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے:

إن صوت المرأة عورة على الراجح.[۲] — عورت کی آواز کا بھی راجح قول کے مطابق پردہ ہے۔

سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اسی طرح چھینک کے بعد کوئی الحمد للّٰہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللّٰہ کہنا سنت ہے۔ فقہا احناف نے لکھا ہے:

ولاَ يكلّم الأجنبية إلا عجوزاً عطست أو سلّمت فيشمتها لاَ يرد السلام عليها.[۳] — اجنبی عورت سے، اگر وہ بوڑھی نہیں ہے، تو آدمی بات نہیں کرے گا۔ اگر وہ چھینک کر الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہے گا، لیکن اس کے سلام کا زور سے جواب نہ دے گا۔

اس کے ساتھ ایک دوسری رائے بھی ملتی ہے، وہ یہ کہ:

يجوز الكلام المباح مع امرأة أجنبية. — اجنبی عورت کے ساتھ ایسی گفتگو کرنا جائز ہے جو مباح ہے۔

مزید کہا گیا ہے:

---

۱ الدر المختار مع ردالمحتار: ۹/ ۵۳۲۔

۲ الدر المختار مع ردالمحتار: ۹/ ۵۳۱۔

۳ حوالہ سابق۔

لا بأس بأن يتكلم مع النساء بما لا يحتاج اليه وليس هذا من الخوض فی ما لا يعنيه، انما ذلک فی کلام فيه اثم۔[1]

اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی عورتوں کے ساتھ ایسی گفتگو کرے جس کی فی الواقع حاجت نہیں ہے۔ یہ لایعنی گفتگو میں نہیں آتا، لایعنی گفتگو وہ ہے جس سے گناہ لازم آئے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام اجنبی مرد اور عورت کے درمیان گفتگو پسند نہیں کرتا، لیکن ساتھ ہی ضرورت کے وقت اس کی اجازت بھی موجود ہے۔ عورت احکامِ شریعت معلوم کرنے کے لیے مفتی یا عالم کے پاس جاسکتی ہے، قاضی کی عدالت میں حاضر ہوسکتی ہے اور شہادت دے سکتی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید نے ازواج مطہرات کو جو ہدایت دی ہے وہ امت کی تمام خواتین کے لیے ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ (الاحزاب:۳۲)

بات میں نزاکت اور نرمی نہ اختیار کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ کوئی برا خیال کرنے لگے اور معروف بات کہو۔

اس آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی اجنبی یا نامحرم سے گفتگو کرتے وقت عورت کو ایسا لوچ دار اور نزاکت بھرا انداز نہیں اختیار کرنا چاہیے جس سے کسی غلط کار اور بدباطن انسان کے دل میں کوئی برا خیال آنے لگے اور وہ اس سے کوئی غلط توقع قائم کر بیٹھے۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ بات چیت 'معروف' کی ہو، اس دائرے سے باہر نہ ہو۔ 'معروف' میں گو وسعت ہے، لیکن اسے بہرحال 'منکر' کے حدود میں نہیں پہنچنا چاہیے۔

نامحرم عورت سے تنہائی میں ملاقات سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس میں شیطان کو دراندازی ہونے کا موقع ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] اس رائے کو نقل کرنے کے بعد ابن عابدین کہتے ہیں: فالظاهر انه قول آخر او محمول على العجوز۔ ردالمحتار: ۹/ ۵۳۰-۵۳۱۔

لا یخلون رجل بامرأة الاّ کان ثالثهما الشیطان.[1]

کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی نہ اختیار کرے، اس لیے کہ (اس صورت میں) شیطان ان دو کا تیسرا ہوتا ہے۔

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس سے بھی خلوت میں ملاقات صحیح نہیں ہے۔[2] اس لیے آفس ہو یا کوئی دوسری جگہ، نامحرم سے ملاقات یا گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔ اس سے فساد کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ البتہ مجلس یا مجمع میں نامحرم مردوں سے گفتگو، اظہارِ خیال کی گنجائش ہے۔ فقہاء کے ہاں اجنبی عورت کے ساتھ محرم یا کوئی دوسرا قابل اعتماد مرد یا ثقہ عورت ہو تو اسے خلوت نہیں کہا جائے گا۔[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں نامحرم سے بات ہوسکتی ہے۔

(ج) جوان عورت اور سن رسیدہ عورت کے احکامِ حجاب میں قرآن نے فرق کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحاً فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ ط وَأَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ط وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ (النور: ۶۰)

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کے کسی سے نکاح کی توقع نہ ہو ان کو کوئی گناہ نہ ہوگا، اگر وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار کر رکھ دیں، بشرطیکہ وہ زینت کا اظہار نہ کریں۔ اگر وہ اس سے بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

درمختار میں ہے: ایسی بوڑھی عورت سے، جس سے نکاح کی خواہش نہیں کی جاتی، مصافحہ ہوسکتا ہے۔ کسی غیر اخلاقی حرکت کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے ہاتھ کو مس کیا جاسکتا ہے، اس کے ساتھ سفر ہوسکتا ہے۔[4]

یہاں دو تین باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

۱- فقہاء کے ہاں نامحرم کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش ضرور ملتی

---

[1] ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات - مسند احمد، مسند عمر بن الخطاب، حدیث نمبر ۱۷۸ [2] ابن قدامہ، المغنی: ۹/۴۹۰۔
[3] رد المحتار مع درالمختار: ۹/۵۳۰۔ [4] درالمختار مع رد المحتار: ۹/۵۲۹۔

ہے، لیکن اس کا تعلق وقتی اور ہنگامی ضروریات سے ہے، اس لیے اسے قاعدۂ کلیہ بنانے ں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

۲- گنجائش سے حسب ضرورت ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اسے دیکھ سکتا ہے، مصافحہ نہیں کرسکتا، اسے ہاتھ یں لگاسکتا۔ قضا اور شہادت دینے کے لیے بھی قانونی ضرورت کے تحت اسے دیکھنے کی ازت ہے، چھونے کی نہیں۔ اس لیے اصول یہ بیان ہوا ہے: 'الضرورات تتقدر دھا'[1]

۳- چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی، جو صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں یہ شرط موجود ہے کہ جنسی جذبہ یا محرک نہیں ہونا چاہیے، ورنہ اس کا جواز ختم ہوجائے گا۔ غلام اپنی لکہ کو بھی جنسی جذبہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ مالکہ جوان ہو تو اسے دیکھنا نہیں چاہیے[2]

باندی کے جسم کا، جو حصہ بالعموم کھلا رہتا ہے اسے دیکھنے کا جواز ہے، لیکن ندی اگر خوب صورت ہے اور اسے دیکھنے سے جنسی جذبہ ابھر سکتا ہے تو اسے دیکھنا نہیں اہیے[3]

امام احمد فرماتے ہیں: مطلقہ کے ساتھ کھانا کھانا جائز نہیں ہے۔

اس پس منظر میں کسی خاتون کا سیلز گرل ہونا یا اسی نوع کا کوئی دوسرا کام کرنا یح نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں حدودِ حجاب کی پابندی ممکن نہیں ہے۔ اس میں نامحرم ردوں سے مسلسل ربط و تعلق اور ایک طرح کا اختلاط ہوتا ہے۔ کاروباری معاملات میں ایک کو متاثر کرنے کے لیے گفتگو میں دل ربائی کا انداز اختیار کرنا پڑتا ہے جسے جائز یں قرار دیا جاسکتا۔

---

[1] در المختار مع رد المحتار: ۹/ ۵۳۳۔

[2] حوالہ سابق، ص ۵۳۲

[3] ابن قدامہ، المغنی: ۹/ ۴۹۸-۴۹۹

بعض غور طلب پہلو

اس پورے مسئلہ پر موجودہ حالات کے پس منظر میں غور کرنے کی ضرور ہے۔ حدیث میں عورت کو شوہر کے گھر کی منتظمہ اور نگراں کہا گیا ہے۔

المرأةُ راعيَةٌ على بيت بعلها و ولده وهي مسئولة عنهم[1] عورت شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اس میں گھر کی دیکھ بھال، شوہر کے مال کی حفاظت، بچوں کی پرورش ا تربیت جیسے امور آتے ہیں۔ پہلے عورت اس کے لیے فارغ ہوتی تھی۔ بعض اوقات کی معاش میں تعاون بھی کرتی تھی۔ لیکن اب حالات کافی بدل گئے ہیں۔

۱- امور خانہ داری، کھانے پینے کی تیاری، گھر کی صفائی اور بچوں کی پرورش میں پہلے عورت کا کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ غریب خاندان میں اس کا پورا وقت ہی لگ ج تھا، لیکن اب کم از کم شہری زندگی میں مشینی سہولتیں آ گئی ہیں، جن کی وجہ سے ان کا مو میں اس کا بہت کم وقت صرف ہوتا ہے۔

۲- بچوں کی دیکھ بھال کے لیے آیا، ملازم یا ملازمہ ہوتی ہے۔ تین چار سا کی عمر ہی سے وہ نرسری، اسکول اور پھر کالج چلے جاتے ہیں۔ بعض حالات میں اسکو زندگی ہی سے ان کا قیام ہاسٹل میں ہوتا ہے۔

۳- زندگی گراں ہوگئی ہے، اخراجات بڑھ گئے ہیں، معیار زندگی بدل ہے۔ اس وجہ سے مرد کی آمدنی بالعموم ناکافی ہوتی ہے۔ اس صورت میں ایک بات یہ جاسکتی ہے کہ میاں بیوی صبر و شکر اور قناعت سے کام لیں اور شوہر کی آمدنی پر ا کریں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو عورت کوئی مناسب ذریعۂ معاش اختیار کر سکے

---

[1] بخاری، کتاب العتق، باب کراہیۃ التطاول علی الرقیق۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الا العادل۔

تیار کرے اور بہتر زندگی گزارے۔

۴- بلا شبہ یہ مرد کا حق اور اختیار ہے کہ عورت کو کوئی ذریعۂ معاش اختیار رنے کی اجازت دے یا نہ دے، لیکن ایک تعلیم یافتہ خاتون کو، جس کے پاس وقت ی ہو اور جو اپنے اور خاندان کی فلاح کے لیے کچھ کر بھی سکتی ہو، اس سے منع کرنا ذہنی ؤ اور کش مکش کا باعث ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس مسئلہ پر قانونی نقطۂ نظر سے ہٹ کر ندانی فلاح و بہبود کے نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہیے[1]

اس موضوع پر راقم نے اپنی کتاب 'اسلام کا عائلی نظام' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی میں بھی بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو بحث 'عورت اور معیشت' اس بحث کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

کتابیات

۱۔قرآن مجید: منزل من اللہ

تفسیر

۲۔ابن کثیر: ابوالفداء عماد الدین اسماعیل الدمشقی (م ۷۷۴ھ) تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: دکتور سید محمد سید وغیرہ، دار الحدیث، القاھرۃ

۳۔قرطبی: ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری (م ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ء

حدیث

۴۔بخاری: ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ) الجامع الصحیح المسند من احادیث رسول اللہ وسننہ وایامہ (صحیح بخاری)

۵۔مسلم: ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری (م ۲۶۱ھ) صحیح مسلم

۶۔ابوداؤد: سلیمان بن الاشعث السجستانی (م ۲۷۹ھ) سنن ابی داؤد

۷۔ترمذی: ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) جامع الترمذی

۸۔نسائی: ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی (م ۳۰۳ھ) سنن النسائی

۹۔ابن ماجہ: ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ القزوینی (م ۲۷۳ھ) سنن ابن ماجہ

۱۰۔احمد: احمد بن حنبل الشیبانی (م ۲۴۱ھ)، المسند، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۴

۱۱۔حاکم: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ النیسابوری (م ۴۰۵ھ) المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۱۲۔ذہبی: شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ) تلخیص المستدرک (المطبوع

مع المستدرک) دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد، دکن، ۱۳۴۲ھ

۱۳۔دارمی: عبداللہ بن عبدالرحمٰن السمرقندی (م ۲۵۵ھ) سنن الدارمی، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۷ء

۱۴۔بخاری: محمد بن اسماعیل، الادب المفرد مع فضل اللہ الصمد للشیخ فضل اللہ الجیلانی، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبتہا، القاھرۃ، ۱۳۷۸ھ

۱۵۔خطیب: ولی الدین محمد بن عبداللہ التبریزی (م ۷۳۷ھ) مشکوۃ المصابیح

۱۶۔منذری: زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی (م ۶۵۶ھ) الترغیب والترھیب، تحقیق: ابراھیم شمس الدین، طبع بیروت، لبنان، ۱۹۹۶ء

شروح حدیث

۱۷۔نووی: ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدمشقی الشافعی (م ۶۷۷ھ) شرح صحیح مسلم، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء

۱۸۔مناوی: محمد عبدالرؤف (م ۱۰۳۱ھ) التیسیر بشرح الجامع الصغیر، دارالطباعۃ العامرۃ، مصر، ۱۲۸۲ھ

۱۹۔عظیم آبادی: محمد اشرف، عون المعبود علی سنن ابی داؤد، مطبع انصاری، دہلی، ۱۳۲۳ھ

۲۰۔طحاوی: ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ الازدی المصری الحنفی (م ۳۲۱ھ)، مشکل الآثار، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد، دکن، ۱۳۳۳ھ

سیرت و تاریخ

۲۱۔محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ): الطبقات الکبریٰ، دارصادر، بیروت، لبنان

۲۲۔ابن ھشام: ابومحمد عبدالملک (۲۱۸ھ) السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفیٰ السقا وغیرہ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء

۲۳۔ابن عبدالبر: ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد القرطبی (م ۴۶۳ھ) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، تحقیق: الشیخ علی محمد معوض وغیرہ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء

۲۴۔ابن الاثیر: عزّ الدین ابوالحسن علی بن محمد الجزری (م ۶۳۰ھ) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ،

تحقیق: الشیخ علی محمد معوض وغیرہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء

۲۵۔ذہبی: شمس الدین ابوعبداللہ (م ۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء، تحقیق: محمد اسعد اطلس، دار المعارف، مصر، ۱۹۶۲ء

۲۶۔ابن حجر: احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، تحقیق: الشیخ عادل احمد عبدالموجود وغیرہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء

۲۷۔ابن خلکان: ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر (م ۶۸۱ھ)، وفیات الاعیان، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید، مطبعۃ السعادۃ، مصر

۲۸۔نووی: ابوزکریا یحییٰ بن شرف (م ۶۷۷ھ) تہذیب الاسماء واللغات۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ۔ مصر

اسماء الرجال

۲۹۔ابن حجر: احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) تہذیب التہذیب، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء

۳۰۔الخزرجی: صفی الدین احمد بن عبداللہ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، تحقیق: محمود عبدالوہاب فائد، مطبعۃ الفجالۃ الجدیدۃ، ۱۹۷۲ء

فقہ، اصول فقہ، فتاویٰ

۳۱۔ابن قیم الجوزیۃ: شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر (م ۷۵۱ھ) اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ ۱۹۹۶ء

۳۲۔ابن قدامۃ: ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد المقدسی (م ۶۲۰ھ) المغنی علی مختصر الخرقی، تحقیق: الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، مطبع ھجر، القاھرۃ، ۱۹۹۲ء

۳۳۔مرغینانی: برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر (م ۵۹۳ھ) الھدایۃ شرح البدایۃ (مختصر القدوری) کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱۳۵۰ھ

۳۴۔زیلعی: جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف الحنفی (م ۷۶۲ھ) نصب الرایۃ مع الھدایۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء

۳۵۔ابن الھمام: کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی الحنفی (م ۶۸۱ھ) فتح القدیر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء

۳۶۔حصکفی: محمد علاءالدین (م ۱۰۸۸ھ) الدرالمختار فی شرح تنویرالابصار (المطبوع مع ردّالمحتار)

۳۷۔ابن عابدین: محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی (م ۱۲۵۲ھ) ردالمحتار علی الدرالمختار، تحقیق: عادل احمد عبدالموجود والشیخ علی محمد معوض، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ۱۹۹۴ء

۳۸۔ابن الحاج: ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی (م ۷۳۷ھ) المدخل، المطبعۃ المصریۃ بالازھر، ۱۳۴۸ھ

☆☆